eISSN: 2707-6229
pISSN: 2707-6210

ڈاکٹر وسیم عباس گل
لیکچرار، شعبہ اُردو، غازی یونیورسٹی، ڈیرہ غازی خان
راشد الحق
پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اُردو، جامعہ کراچی
حنا نسیم
پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اُردو، غازی یونیورسٹی، ڈیرہ غازی خان

Dr Waseem Abbas Gull **Email:** wagul@gudgk.edu.pk
Lecturer Urdu Department, Ghazi University, Dera Ghazi Khan.
Rashid ul Haq **Email:** ahmadani786@gmail.com
PhD Scholar, Urdu Department, University of Karachi
Hina Naseem **Email:** wagul@gudgk.edu.pk
PhD Scholar, Urdu Department, Ghazi University, Dera Ghazi Khan.

جوش ملیح آبادی کی غزل کا تحقیقی جائزہ

A CRITICAL REVIEW OF THE GHAZAL OF JOSH MALIHABADI

DOI: https://doi.org/10.56276/tasdiq.v4i02.108

ABSTRACT

Josh Malih Abadi's name has a unique place in the history of Urdu literature as a shining and brilliant chapter in terms of poetic aspects and creative energy. While Josh is a poet with a lively heart and mind and an open eye. With its free nature and a vast sea of words and phrases. Like the great poets, his style of using words and phrases is unparalleled and unique, and his great place in Urdu poetry is established with all distinctions. Josh wrote modern and ancient Ghazal like Hali and if there is anything wrong with the Ghazal, he tried to write it in a new style. It is as if Josh claimed to have included glorious subjects in the Ghazal, leaving out the general themes. Due to this effort, the new style of Ghazal has more resemblance to the poem. However, this ode-like Ghazali also has its own style and it has a very deep color of the individuality of passion. If think about it, in the Ghazal of passion, you can see beautiful and intoxicating performances about the beauty of the beloved, the colorful and charming nature of attractive nature, and the head of pleasure and fun.

KEYWORDS
Josh Malihabadi, Urdu Literature, Unparalleled, Ancient Ghazal, Glorious, Resemblance, Passion, Intoxicating, Charming Nature, Pleasure

Received: 18-Oct-22
Accepted: 20-Dec-22
Online: 30-Dec-22

شعری جہات اور اپنی تخلیقی توانائی کے اعتبار سے جوشؔ کا نام اردو کی ادبی تاریخی میں ایک بہت تابناک اور درخشاں باب کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس بات میں پوری صداقت ہے کہ جوش ملیح آبادی اردو ادب میں زبان و بیان کے بادشاہ تھے۔ اگرچہ جوش ملیح آباد کی آدھی صدی سے زیادہ عرصے میں پھیلی ہوئی ادبی کاوشوں پر نگاہ ڈالیں تو اُن کی حیثیت ایک قطبی ستارے کی سی ہے چاہے اُس کی سمت میں چلا جائے یا اُس کے مخالف رخ میں راستہ اختیار کیا جائے۔ نگاہیں قطبی ستارے پر ضرور پڑتی ہیں۔ جوش ملیح آبادی قدرتِ الفاظ، سلاست و روانی اور معنوی ہم آہنگی و ربط کا وہ خزانہ اپنے پاس رکھتے ہیں جو آج تاریخِ ادب کا بیش بہا حصہ ہے۔ جوش ملیح آبادی نے بہت لکھا اور خوب لکھا۔ انہوں نے تقریباً تمام اصنافِ شعر میں طبع آزمائی کی۔ انہوں نے نظم کے ساتھ ساتھ بہترین غزلیں بھی تخلیق کیں لیکن اُن کی وجہ شہرت نظم بنی۔ ڈاکٹر محمد رضا کاظمی لکھتے ہیں:

"جوش کی غزل تنقیدی توجہ کا مرکز اُس وقت بنی جب بحیثیت نظم نگار شاعر کے اُن کی حیثیت راسخ ہو چکی تھی۔"(۱)

جوش کی غزلوں کا انتخاب "نگار" اور "نقوش" میں چھپا اور پھر "نگار" کے ۱۹۴۲ء کے سالنامہ میں اور "نقوش" ۱۹۴۵ء میں جوش کی غزلوں پر تنقید شائع ہوئی۔ اِن دونوں ادبی رسالوں میں چھپنے والی تنقید میں بھی جوشؔ کو غزل گو شاعر کے بجائے نظم نگار شاعر کے طور پر سراہا گیا۔ مجنوں گورکھپوری جوش کی غزل پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جوش اپنی طبعی مناسبت کے اعتبار سے نظم نگار شاعر ہیں لیکن انہوں نے غزلیں بھی کہیں ہیں اگرچہ وہ شاید غزل کو اپنے کارنامے کا کوئی اہم جزو نہیں سمجھتے لیکن مجموعی اعتبار سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ جوش کی غزلوں میں وہ زور و خروش نہیں ملتا جو اُن کی نظموں کو اِس قدر ممتاز کیے ہوئے ہے۔"(۲)

آل احمد سرور جوش کی غزلوں کے اسلوب پر بات کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

"جوش اُن شعراء میں ہیں جو نظم و غزل دونوں پر یکساں قدرت رکھتے ہیں۔ اقبال کے بعد یہی غزل کو نظم کا تسلسل اور کائناتی لباس اور نظم کی رنگینی بخشنے میں کامیاب ہوئے۔ غزل کی شرینی، نرمی اور روانی جوش کے باس کی نہیں اُن کے اسلوب میں اتنی شگفتگی نہیں جتنی حدت ہے۔"(۳)

جوش کی غزل کو پذیرائی نہ ملنے کی ایک وجہ تو یہ تھی دوسری وجہ غزل کے مروجہ اصول و قوانین اور ہیئت سے انحراف اور اُن کی اپنی غزلوں کا منفرد اسلوب اور زبان ہے۔

اردو غزل کے منظر نامے پر نظر ڈالیں تو ہمیں یہ بات واضح طور پر دکھائی دیتی ہے کہ میرؔ کے زمانے سے لے کر حسرتؔ اور جگرؔ کے دور تک غزل کے اسلوب میں برابر تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں لیکن اس کی بنیادی حقیقت میں کوئی فرق یا تبدیلی پیدا نہیں ہوتی۔ اس سے صاف طور پر پتہ چلتا ہے کہ یہ صنفِ سخن اپنی اصلی حیثیت کو برقرار رکھے ہوئے ہے اور یہ مختلف حالات سے مطابقت کی صلاحیت رکھتی ہے جو کہ اس کے جاندار ہونے کی دلیل ہے۔

ہر غزل گو شاعر کے کلام میں ایک مخصوص قسم کی فضا ملتی ہے۔ جو اُس شاعر کی داخلی کیفیت اور اُس کے تمدنی احوال کا نتیجہ ہوتی ہے جن میں اُس نے نشو و نما پائی ہے۔ حسرت اور جگر کے ہاں حسن و عشق کے معاملوں کا اظہار اس سے ایک حد تک مختلف ہے جو ہمیں میر، غالب اور مومن کے ہاں ملتا ہے۔ ایسا اس لیے ہے کہ وقت کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے ساتھ ساتھ جہاں طرزِ معاشرت، لباس اور خوراک میں تبدیلیاں آتی ہیں وہاں جذبات و احساسات کی اساس باوجود ایک ہونے کے اظہار کے پیرائے بدل جاتے ہیں۔

جدید شعرا نئی دنیا کے تقاضوں اور تجربوں کے مدِ نظر حسن و عشق کو جس نقطۂ نظر سے دیکھتے ہیں اُس کی مثال اردو کے ابتدائی یا درمیانی دور کے شاعروں کے یہاں نہیں ملتی۔ وہ احساسِ جمال کو حیات و کائنات کے سمجھنے کے لیے بطور قدر استعمال کرتے ہیں جس سے اُس کے پیش رو بڑی حد تک نابلد تھے اور اگر واقف تھے تو بالکل بہم طور پر، لیکن اس بات سے انکار ممکن نہیں آج سے سینکڑوں سال پہلے غزل گو شعرا جس مغموم اور افسردہ آواز میں حسن و عشق کی داستان بیان کر رہے تھے اُس کی تقلید اب بھی ہو رہی ہے گویا آرٹ کی تخلیقی آزادی سلب ہو چکی ہے۔ وہ چبائے ہوئے نوالے ہیں جنہیں برابر چبایا جا رہا ہے۔ وہی شاہد و شراب، زلف و گیسو، مئے و میخانہ اور شمع و پروانہ کی داستان ہے جو لفظوں کے الٹ پھیر سے صدیوں سے بیان ہوتی رہی ہے۔ جوش چونکہ ایک زندہ دل و دماغ اور کھلی آنکھ کا شاعر ہے اُس کے ساتھ آزاد طبیعت اور الفاظ و تراکیب کا ایک بحرِ بے کراں ہے۔ ہر بڑے شاعر کی طرح جوش ملیح آبادی کا رنگِ سخن اور اندازِ بیاں پوری اردو شاعری میں سب سے علیحدہ اور منفرد ہے۔ اس کی لفظیات اور لفظیات کو برتنے کا ڈھنگ اُس کا اپنا ہے۔ اردو شاعری کے ایوان میں اسی انفرادیت سے اس کا امتیاز قائم ہے جس مشاقی اور پختگی سے اس نے اپنی لفظیات کے استعمال اور اپنے الفاظ و تراکیب کی نشست اور دروبست کا اہتمام کیا ہے۔ اس کی مثال اردو شاعری میں کم کم ملتی ہے۔

اس کے موقلم کی دلآویز جنبش نے بڑے بڑے مشکل اور ثقیل الفاظ کو اپنی جولانی اور روانی سے موم کر دیا ہے اور ان میں اپنے اسلوبِ خاص کا رنگ بھر دیا ہے۔ یہ سچ ہے کہ وہ خیال کی ندرت اور فکر کی بلندی کا شاعر نہیں ہے۔ لیکن وہ قدرتِ کلام اور اظہار و بیان کے کمال و جمال کا شاعر ہے۔ اسی لیے اس کو غزل کے فرسودہ اور صدیوں سے مروج اصول و قوانین کے اندر رہ کر شعر کہنا مشکل نہیں بلکہ پسند نہ تھا۔ جوش جو کچھ کہنا چاہتے تھے اُن کے نزدیک غزل کا قدیم طرز کا میدان موزوں نہ تھا۔ وہ حالی کی طرح غزل کے پرانے اور فرسودہ موضوعات سے غزل کو رہائی دلا کر نئے اور جدید موضوعات سے ہم کنار کرنا چاہتے تھے۔ اس پر اُن کا یہ خوبصورت شعر سند کا درجہ رکھتا ہے:

کچھ نہیں اس کے سوا جوش حریفوں کا کلام
وصل نے شاد کیا ، ہجر نے ناشاد کیا

"جوش خاصی پرانی نسل کے فرد ہیں۔ اُن کے ذہن میں زیادہ تر اعتراضات غزل کی ہیئت اور فنی نقائص کی صورت اُبھرتے ہیں اس سے زیادہ اِن کی اہمیت کچھ اور نہیں"(۴)

انقلابی نظمیں ہوں یا رومانوی یا کلاسیکی ہیئت میں ہوں ساری کی ساری غزل کے مزاج سے مکمل طور پر ہم آہنگ ہیں۔ اُن کی شاعری میں ترنم اور مٹھاس جو تغزل کی اہم خصوصیات میں سے ہیں بدرجہ اتم موجود ہے۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری لکھتے ہیں:

"جوش کی ساری شاعری خواہ وہ جدید انقلابی و رومانی نظموں کے روپ میں ہو یا کسی کلاسیکی ہیئت میں غزل کے مزاج سے بہر طور ہم آہنگ ہے اور اس میں وہی تغزل اور مٹھاس ہے جس سے اردو اور فارسی کی غزلیہ شاعری متصف ہے۔ اس خاص تناظر میں دیکھیں تو اندازہ ہو گا کہ جوش دراصل غزل نہیں، غزل کے فارم یا ہیئت کے اختصار کے مخالف تھے۔ اُن کا کہنا صرف اِس قدر تھا کہ ایک طویل یا وضاحت طلب موضوع کو غزل کے ایک شعر میں نہیں سمویا جاسکتا یہ فریضہ صرف نظم ہی سرانجام دے سکتی ہے اور ان کا یہ کہنا بے جانہ تھا۔ دوسری بات یہ بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ خود جوش میں غزل گوئی کا بڑا سلیقہ تھا اور انہوں نے اپنی شاعری کے ابتدائی زمانے میں بہت خوبصورت غزلیں کہی ہیں۔" (۵)

جوش نے بھی حالی کی طرح جدید اور قدیم دونوں طرح کی غزلیں لکھی ہیں۔ اُن کے نزدیک غزل میں جو کچھ برا ہے اُسے ترک کر کے ایک نئی طرح کی غزل کی بنیاد رکھنے کی کوشش کی ہے:

ذرات کو چھوڑ کر حریفوں کے لیے
خورشید پہ بڑھ کے ہاتھ ڈالا ہم نے

گویا جوشؔ نے غزل کے عام مضامین کو چھوڑ کر اس کے دامن کو نئی طرح کے پُر شکوہ مضامین سے بھرنے کا دعویٰ کیا ہے اور نئی طرح کے مضامین غزل میں داخل کرنے کا اثر یہ ہوا ہے کہ اُن کے لہجے میں ایسی بلند آہنگی پیدا ہو گئی ہے جو غزل کے مزاج سے زیادہ قصیدے کے مزاج سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے لیکن اس قصیدہ نما غزل میں جوش کی انفرادیت کا بڑا گہرا رنگ شامل ہے۔ کلیم الدین احمد لکھتے ہیں:

"جوش ملیح آبادی بھی غزل کے لیے نہیں بنائے گئے تھے۔ اُن کی ایک تاریکی اہمیت ہے لیکن یہ بھی دنیائے تغزل میں کوئی خاص مقام نہیں رکھتے۔ غزل گو شعرا میں شاید ہی کسی کو اس قدر بلند آہنگ آواز میسر ہو۔ اس بلند آہنگی کے ساتھ ترکیبیں اور بندشیں بھی رعب دار ہوتی ہیں اور غزل کے بدلے قصیدہ کی فضا پیدا ہو جاتی ہے۔" (۶)

جوش کی بزم غزل حسنِ محبوب کی دلفریب اور مخمور اداؤں، کششِ فطرت کی رنگینی اور دلآویزی اور لذتِ بادہ کی سرخوشی و سرمستی سے مزین و آباد ہے۔ غزل میں اِن تینوں چیزوں کے بیان کے لیے جوش نے الفاظ و تراکیب کی جس نشست و برخاست کا اہتمام کیا ہے اس سے یہ اسلوب اور زبان غزل کے بجائے قصیدے کی زبان بن گئی ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ ان احساسات و جذبات کے ساتھ جوش کا رشتہ قلبی نہیں ذہنی ہے:

فرشِ مئے خانہ پہ، رقصِ دو جہاں کیا کہنا

عرشِ اعظم ہے ، بحسرتِ نگراں ، کیا کہنا
پائے ساقی پہ ، فرشتوں کی جبیں ، صلِ علیٰ
قدمِ فقر پہ دیہیم شہاں ، کیا کہنا
نرگسی مطرب و خمیازۂ نو خیزاں میں
خمِ گل رنگ و خمِ آبِ رواں ، کیا کہنا(۷)

شراب ناب ہے کوثر نژاد و خلد نسب
قدیم ، جامِ سفالیں اٹھا ، بشرطِ ادب
چھلک رہے ہیں معارف ابل رہے ہیں رموز
کھلے ہوئے ہیں سبو میں ، ہزار ہا مکتب
بغیر سکر ، عبادت روا ، نہ عیاشی
بہت یہ مسئلہ ہے ، اے فقیہ ، غور طلب(۸)

خوشا ، کہ زیر نوا ہائے چنگ و بربط و عود
کھنک رہے ہیں پیالے ، بہ نغمۂ داؤد
چمک رہا ہے ، خمِ تیغ کے اُفق پہ ، ہلال
جھلک رہا ہے ، جبینِ زیاں پہ قشقۂ سود(۹)

پروفیسر سید وقار عظیم لکھتے ہیں:

"آورد اور تکلف میں آمد کی شان بھی غزل کے مزاج کی ایک اور خصوصیت ہے۔ یہاں محبوب، فطرت اور ساقی اور اِن تینوں کے متعلقات غزل کا خاص موضوع ہیں اور ان موضوعات سے شاعر کو قلبی اور قلبی سے زیادہ ذہنی لگاؤ ہے اور اسی ذہنی لگاؤ کا نتیجہ ہے کہ اس غزل پر بحیثیت مجموعی نشاط کا رنگ چھایا ہوا ہے۔"(۱۰)

یہ درست ہے کہ جیسا سوز و گداز میر کی غزل کا خاصا ہے، جو فکر اور جذبے کا امتزاج غالب کی غزل میں موجود ہے اور قلبی واردات جو بے لوث بیان مومن کے ہاں موجود ہے۔ جوشؔ کی غزل اُس سے نا آشنا ہے لیکن یہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی جوش کی غزل میں انفرادیت موجود ہے۔ انہوں نے اپنے طرزِ بیان، لفظوں، ترکیبوں، تشبیہوں اور استعاروں کی مدد سے خیال اور تصور کے نئے نئے گوشے تراشے ہیں کہ خیال اور بیان کی سطحوں میں ایسی یکسانی اور ہم آہنگی پیدا ہو گئی ہے کہ اُن کی غزل کا ایک منفرد لب ولہجہ اور رنگ نکھر کر سامنے آ گیا ہے:

ارض و سما کو ساغر و پیمانہ کر دیا
رندوں نے کائنات کو میخانہ کر دیا
کچھ روز تک تو نازشِ فرزانگی رہی
آخر ہجومِ عقل نے دیوانہ کر دیا
دنیا نے ہر فسانہ حقیقت بنا دیا
ہم حقیقتوں کو بھی فسانہ کر دیا(۱۱)

پھر سر کسی کے در پہ جھکائے ہوئے ہیں ہم
پردے پھر آسماں کے اٹھائے ہوئے ہیں ہم
چھائی ہوئی ہے عشق کی پھر دل پہ بے خودی
پھر زندگی کو ہوش میں لائے ہوئے ہیں ہم
ہاں کس کو سیر ارض و سما کا ہے اشتیاق
دھونی پھر اُس گلی میں رمائے ہوئے ہیں ہم(۱۲)

غزل کے درج بالا شعروں میں بے شک غزل کے پرانے، کھسے پٹے اور فرسودہ مضامین ہیں لیکن جوشؔ کے متغزلانہ بیان نے اُن میں ایک جدت پیدا کر دی ہے۔ یہی جوش کی غزل کی انفرادیت ہے۔ جوش جب حسن و عشق، لب و رخسار اور کاکلِ عنبر فشاں کی بات کرتے ہیں تو ایسی ایسی نادر تراکیب اور رنگین الفاظ لاتے ہیں کہ اُن کی غزل میں ایک نیا آہنگ و ترنم اور نغمگی کا احساس ہونے لگتا ہے۔

لے لیا دل اِک ہوش رُبا نے
کانِ شوخی ، جانِ حیا نے
آفتِ جانے ، فتنۂ شہر نے
جانِ جہا نے ، روحِ روا نے
بکھری الجھی زلفِ سیہ میں
شامِ طرب کے لاکھ فسانے
رخ پر کافر زلف کی لہریں
جیسے لمحے ، شب کے سہانے(۱۳)

میں دین و دلِ عشق ہوں ، ایمانِ تمنا
اترا ہے مری روح پہ قرآنِ تمنا
کیونکر نہ کرے دعوئے پیغمبریٔ عشق
حاصل ہو جسے دولتِ عرفانِ تمنا
صرف اِک شکن میں ہے نہاں عرصۂ کونین
اللہ ری اے وسعتِ دامانِ تمنا
کونین کے سینے میں تلاطم سا بپا ہے
اللہ ری پُرافشانیٔ مژگانِ تمنا(۱۴)

جوش کے رنگِ تغزل اور نغمگی کے بارے ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی رقم طراز ہیں:

"حسین الفاظ، رنگین الفاظ، مترنم الفاظ اور پھر اس کے ساتھ موضوعِ تغزل، غزل اپنی معراج پر کیونکر نہ آئے۔ جوش کی غزلوں کی یہی شان ہے کہ جوش کی غزل میں شباب کے باعث جگہ جگہ نغمہ پھوٹا پڑتا ہے۔ حقیقت یوں بھی ہے کہ جہاں حسنِ بے تاب تماشا ہو اور عشق باریاب ہو وہاں ترنم اور نغمہ کی کیا کمی ہو گی۔"(۱۵)

جوش کی غزلوں میں عشق کو حسن پر فوقیت دی گئی ہے۔ حسن کو اگر کوئی مقام و مرتبہ حاصل ہے تو وہ صرف اور صرف عشق کی مہربانی و عنایت کی وجہ سے نہیں تو حسن ایک خیالِ خام کی طرح بے سروپا اور بے اہمیت ہے۔ جوش کیہاں حسن اگر اپنی معراج کو پہنچتا ہے تو وہ صرف عشق کی مرہونِ منت ہے۔ جہاں پر بھی حسن اور عشق کی بات آئی ہے جوش کی عشق کو اعلیٰ وارفع مقام عطا کیا ہے:

اے حسن! اگر عشق خریدار نہ ہوتا
یہ غلغلۂ گرمیٔ بازار نہ ہوتا
یہ برہمیٔ گیسوئے شب رنگ نہ ہوتی
یہ پیچ و خمِ کاکلِ خم دار نہ ہوتا(۱۶)

اے حسن! داد مرے کہ تمنائے عشق نے
تری حیا کو عشوۂ ترکانہ کر دیا(۱۷)

اے حسن شاد ہو کہ تجھے چشمِ شوق نے
آشوبِ خلق و فتنۂ دوراں بنا دیا(۱۸)

فیضِ نگاہِ عشق نے اے دخترِ جمال!
ترے ہر ایک جزو کو قرآں بنا دیا
اے حسن! شکر کر کہ ملی تجھ کو خسروی
اے جسم ناز کر کہ تجھے جاں بنا دیا(۱۹)

جوش کی غزل میں عشق ایک ایسی طاقت کا نام ہے۔ عشق ایسا محرک ہے کہ جب کوئی خود کو عشق کے سانچے میں ڈھال لیتا ہے تو اُس پر کائنات کے تمام رموز آشکار ہو جاتے ہیں۔ کائنات کی لامتناہی حدود کے عقدے کھلتے جاتے ہیں اور انسان دولتِ عرفان سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ یعنی عشق میں دوئی کا تصور ختم ہو جاتا ہے اور "میں" اور "تو" کا وجود ختم ہو جاتا ہے:

یہ تیرے غرور کو کیا خبر کہ ازل کے روز سے دخل ہے
مرے عشقِ سادہ مزاج کو ترے حسنِ عشوہ طراز میں
جو بہارِ عشق ہو دیکھنا کبھی غزنوی پہ نگاہ کر
کہ شمیمِ گلشنِ خسروی ہے تباہ کوئے ایاز میں(۲۰)

آئی عاشق میں شانِ محبوبی
یعنی اب عشق انتہائی ہے(۲۱)

میں دین و دل عشق ہوں ایمانِ تمنا
اترا ہے میری روح پہ قرآنِ تمنا
کیونکر نہ کرے دعوئے پیغمبریٔ عشق
حاصل ہو جسے دولتِ عرفانِ تمنا(۲۲)

عشقِ مولیٰ کے لیے ہے عشقِ انسان ناگزیر
سازِ بے رنگی کے طالب! سوزِ رنگ و بود بھی دیکھ(۲۳)

جوش کی غزلوں میں حسن و عشق کے ساتھ محبوب کی زلفوں سے متعلق بھی متعدد اشعار موجود ہیں اور جہاں کہیں بھی محبوب کی زلف کا ذکر آیا وہاں پر جوش کی طبیعت بھی زلف کے ساتھ لہراتی ہوئی دکھائی دیتی ہے اور اُن کے قلم سے زلفِ جان کے لیے نئی نئی تراکیب کا جنم ہوتا جاتا ہے:

یہ برہمیٔ گیسوئے شب رنگ نہ ہوتی
یہ پیچ و خمِ کاکلِ خم دار نہ ہوتا(۲۴)

بشاش ہو جمعیتِ خاطر کی تمنا
لے سلسلۂ زلفِ پریشاں نظر آیا(۲۵)

طے ہوئی پھر خلشِ شام و سحر کی منزل
عام پھر غلغلۂ کاکل و رخسار ہوا(۲۶)

مژدہ اے کارِ گرہ بستہ ، کہ ہم راہِ نسیم
پیکِ مشکیں نفسِ کاکلِ پیچاں آیا(۲۷)

شادباش اے سحر عید کہ بالیں پہ سری
یار باسلسلۂ زلفِ پریشاں آیا(۲۸)

جوش کی غزلیں خمریات کا خزانہ بھی لیے ہوئے ہیں۔ اُن کی غزلوں میں سینکڑوں خمریاتی الفاظ پورے معنوی تناظر کے ساتھ جلوہ گر ہیں۔ انہوں نے فارسی خمریات سے پورے طور پر استفادہ کیا۔ خمریاتی الفاظ کو جوش نے کہیں کہیں خاص معنوں میں اور عموماً عام معنوی تناظر میں استعمال کیا ہے:

مطرب! بادہ اٹھے پر دے، ساقی وہ کھلے عقدے
ہاں یوں ہی دما دم دے پیمانوں پہ پیمانے(۲۹)

پیمانے سے جس وقت چھلک جاتی ہے صبا
لہراتا ہے اِک حسن کا دریا میرے آگے
پیمانے پہ جس وقت جھکاتا ہوں صراحی
جھکتا ہے سرِ عالمِ بالا میرے آگے(۳۰)

سبو اُٹھا ، کہ قضا ، سیمِ خام ہے ساقی
فرازِ کوہ پہ ، ماہِ تمام ہے ساقی

چنے ہوئے ہیں پیالے ، جھکی ہوئی بوتل
نیا قعود ، نرالا قیام ہے ساقی(۳۱)

ہمیں کیا دہر اگر محرومِ سوز و ساز ہے ساقی
بحمد اللہ ، کہ بابِ قصر مینائے باز ہے ساقی
طوافِ جوش کر ، اے کارگاہِ مومن و کافر
کہ یہ رند اہرمن ایجاد و یزداں ساز ہے ساقی(۳۲)

عبد القادر سروری جوش کی غزلوں میں رندی کے مضامین کے بارے میں لکھتے ہیں:

"جوش کی شاعری کے دو اہم پہلو ہیں ایک لیریکل اور دوسرا فلسفیانہ اِن کی اکثر غزلیں اور بعض نظمیں اردو کی پریکل شاعری کا عمدہ نمونہ ہیں۔ عشق اور رندی ان کی غزلوں کے مخصوص مضامین ہیں۔ غالباً اسی لیے وہ خود کو ہمتائے حافظ شیراز سمجھتے ہیں:

آ رہی ہے صدائے ہاتفِ غیب
جوش ہمتائے حافظ شیراز"(۳۳)

جوشؔ نے جدید رنگِ تغزل اور قدیم رنگِ تغزل دونوں میں بڑی خوبصورت غزلیں کہی ہیں۔ جدید رنگ تغزل میں انہوں نے غزل کو عشق و سرمستی کے مضامین سے نکال کر سیاسی و سماجی مسائل سے ہم کنار کیا۔ انہوں نے جدید رنگ تغزل میں جو غزلیں کہیں۔ وہ مسلسل غزلیں ہیں اور ان غزلوں میں خیال کا تسلسل آخر تک برقرار رہتا ہے اور اس تسلسل کی برقراری اُن کے شوکتِ الفاظ اور بیان کی روانی و سلاست کی مرہونِ منت ہے۔ اُن کی مسلسل غزلوں میں بھی حسن و عشق اور رندی و سرمستی کی دلفریبیاں بھی پورے طور پر جلوہ گر دکھائی دیتی ہیں۔ ڈاکٹر رشید احمد گوریجہ لکھتے ہیں:

"جوش کی غزل میں لکھنوئیت کا وہ تیکھا پن ملتا ہے جس کے لیے لکھنوی شاعری مشہور ہے۔ آپ نے مسلسل غزلوں کو رواج دیا اور غزل میں متنوع موضوعات اختیار کیے۔ غزل کو عشق و عاشقی کے محدود دائرے سے نکال کر سیاست کے وسیع میدان کی سیر کرائی ہے لیکن جہاں حسن کی دلفریبی ظاہر کی ہے وہاں اُن کی غزلیں کیف و مستی، حسن کی کرشمہ سازیوں کا منہ بولتا ثبوت ہے۔" (۳۴)

مثالیں ملاحظہ ہوں:

صبح بالیں پہ کہتا ہوا غمخوار آیا
اٹھ کہ فریاد رسِ عاشقِ بیمار آیا

بختِ خوابیدہ گیا ظلمتِ شب کے ہمراہ
صبح کا نور لیے دولتِ بیدار آیا
خیر سے باغ میں پھر غنچۂ گلرنگ کھلا
شکر ہے دور میں پھر ساغرِ سرشار آیا
جھوم اے تشنۂ گلبانگِ نگارِ عشرت
کہ لبِ یار لیے چشمۂ گفتار آیا(۳۵)

محفلِ عشق میں وہ نازشِ دوراں آیا
اے گدا خواب سے بیدار کہ سلطاں آیا
اے کلی ناز سے کھل ، بادہ سرجوش ابل
کہ نگارِ چمن و شاہدِ مستاں آیا
دور اے زہد ، کہ وہ زہد شکن آ پہنچا
رخصت ، ایمان! کہ وہ غارت گرِ ایماں آیا
بوستاں وجد میں آ ، عشق غزلخواں ہو جا
کہ گل سرسبد و سروِ خراماں آیا(۳۶)

جوش کے بلند بانگ نغموں نے اردو شاعری میں ایک نیا راستہ نکالا۔ یہ اُن کے سوزِ دروں ہی کی بدولت ہے کہ اُن کی بیشتر غزلیں مسلسل مضمون کی حامل ہیں۔ غزل میں مضمون مسلسل ہو تو لامحالہ پوری غزل میں ایک ہی سرور اور ایک ہی جذبہ پیدا ہو جاتا ہے اور یہ انفعال وحدانیت غزل کو ایک خاص ترنم بخش دیتی ہے۔ جوش کے یہاں اِن کی مثال نہایت واضح، پُر تاثیر اور پُر کیف ملیں گی۔ اس لیے کہ جوش کا موضوعِ اصلی بھی تغزل ہی ہے۔ جوش نغمۂ شباب کا شاعر ہے اپنے انتہائی کمال پر ان کا فن اُسی وقت ہوتا ہے جب وہ تغزل کے موضوع باندھتے ہیں۔ آل احمد سرور لکھتے ہیں:

"جوشؔ اُن شعرا میں سے ہیں جو نظم اور غزل دونوں پر یکساں قدرت رکھتے ہیں۔ اقبال کے بعد شاید یہی غزل کو نظم کا تسلسل اور کائناتی لباس اور نظم کو غزل کی رنگینی اور شرینی بخشنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ جوشؔ کو شاعرِ شباب اور شاعرِ انقلاب کے نام سے اکثر یاد کیا جاتا ہے۔ نظموں میں انہوں نے بہت سے انقلابی مضامین لکھے ہیں اور غزلوں میں اِس رجحان کے زیرِ اثر مسلسل مضامین نظم کیے ہیں، مگر نظموں اور غزلوں دونوں میں اُن کی لذتیت یکساں موجود ہے۔ اُن کے یہاں جگرؔ سے زیادہ بلند آہنگی اور مردانگی پائی جاتی ہے۔"(۳۷)

اب ذرا جوش کے وہ شعر ملاحظہ فرمائیں جن میں احساس کا خلوص اور بیان کی بے تکلفی ہے اور جو رجحان اور عصر سے قطع نظر اپنے اثر میں غزل کو جوش کا عطیہ ہیں۔ ان شعروں کو پڑھنے والا بار بار پڑھ کر وجد کرتا ہے اور جنہیں زمانہ مٹانا بھی چاہے تو نہیں مٹا سکتا۔ ایسے شعر جوش کی غزلوں میں بس گنے چنے ہیں لیکن ان کی تاثیر اور مٹھاس پر سینکڑوں شعر قربان کیے جاسکتے ہیں:

ملا جو موقع تو روک دوں گا جلال روزِ حساب تیرا
پڑھوں گا رحمت کا وہ قصیدہ کہ ہنس پڑے گا عتاب تیرا(۳۸)

سوزِ غم دے کے مجھے اُس نے یہ ارشاد کیا
جا تجھے کش مکشِ دہر سے آرزو کیا(۳۹)

تجھے اِس سے زیادہ کوئی سمجھا ہی نہیں سکتا
خدا وہ ہے جو حدِ عقل میں آ ہی نہیں سکتا(۴۰)

یہ اشعار غزل کی مروجہ ورش سے بالکل ہٹ کر ہیں اور انہی اشعار میں جوش کی غزل گوئی کا صحیح رنگ اُبھر کر سامنے آتا ہے جس کی وجہ سے میں جوش کو اعلیٰ درجے کا غزل تسلیم کرتا ہوں۔ جوش کی غزلوں کا ایک خاص وصف اُن کی غزلوں کا غیر مردف ہونا ہے۔ جوش اکثر ردیف کو اُڑا جاتے ہیں اور قافیے پر ہی اپنی لے کی تان توڑتے ہیں۔ غزل میں اِسی سے ایک باوقار ٹھہراؤ پیدا ہوتا ہے اور ایک مفکرانہ قطعیت بھی:

کشتیٔ مے کو اے خدائے صبوح
بخش دے قسمتِ سفینۂ نوح
بخش اِس جسمِ پاک جوہر کو
مرگ فرسائی جلالتِ روح
چشمۂ زندگی ہو مداح سرا
ارغوانی شراب ہو ممدوح
آنچ آئے نہ مئے پر اے معبود
تیرے بندے ہیں خستہ و مجروح(۴۱)

ابروئے کل رخاں سے ، نہ کیوں ہو خلیدگی
تیروں کو تو ملتی ہے کماں کی کشیدگی

اس سمت کاروانِ طلب کی دوانیاں
اُس سمت آہوانِ طرب کی رمیدگی
گل چیں خدا کو مان نہ یوں بڑھ اٹھا کے ہاتھ
نرگس میں دیدگی ہے سمن میں شنیدگی(۴۲)

جوش کی غزلیات میں ہمیں غزل کے فرسودہ مضامین کے ساتھ ساتھ ویسی ہی پرانی تراکیب بھی ملتی ہیں جن میں جوش کا کوئی تخلص نہیں۔ کہیں کہیں پرانے خیالات کو انہوں نے نئی تراکیب کا جامہ پہنایا ہے جو واقعی قابلِ ستائش ولائقِ تحسین ہے۔

جوش کی غزل میں رنگینی، سرمستی، رندی، حسن و عشق کے مضامین کی کثرت ہے پھر بھی جوش کی غزل کو مقبولِ عام حاصل نہیں ہوا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ کہ جوش کی غزل جب تنقید کے لیے آئی تو اس وقت جوش ایک قد آور نظم گو کے طور پر جانے اور پہچانے جارہے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جوش کا جو لب ولہجہ اُن کی نظموں کا خاصا تھا وہ غزل میں نہیں نظر آتا۔ اس لیے ان کی غزل کو پسِ پشت ڈال دیا گیا۔

جوش کی غزلوں کی نامقبولیت کی سب سے بڑی وجہ اُن کی غزلوں کی ادق، پتھریلی اور مفرس زبان ہے۔ فارسی کا غلبہ تو اُن کی تمام غزلوں پر تقریباً دکھائی دیتا ہے۔ لیکن کہیں کہیں تو فارسی اس قدر در آئی ہے کہ قاری لفظوں کی قرأت پر اتنا زور دیتا ہے کہ وہ غزل کی مٹھاس اور لذت سے بہت دور چلا جاتا ہے۔ اُن کی بہت ساری غزلیں ایسی ہیں جنہیں با قاعدہ لغت ساتھ رکھ کر بمشکل پڑھا جا سکتا ہے سمجھنا تو درکنار فارسی غزل کی تقلید اور فارسی غزل سے رندی و سرمستی اور حسن و عشق کے مضامین کے ساتھ ساتھ جوش نے اپنی اردو غزل کو فارسی تراکیب سے بھی مالا مال کیا ہے اور یہ فارسی غزل کے مضامین اور الفاظ و تراکیب جوش شعوری طور پر غزل میں لائے ہیں۔ اسی لیے تو وہ با آواز بلند کہتے ہیں:

آج اے جوش تیرے رنگِ غزل گوئی سے
قندِ پارس کا مزہ ہے بزبانِ اردو

جوش کی غزل ناقدین اور قارئین کی نظر سے اس لیے اوجھل ہوتی چلی گئی کہ اُن کی غزل کی زبان اُس قدر سادہ نہیں جس قدر غزل کی مروجہ زبان تھی۔ اس میں نہ تو غزل کا قصور ہے اور ہی جوش کا کیونکہ ہر بڑے شاعر کی طرح جوش کا رنگِ سخن اور اندازِ بیان اردو شاعری میں الگ اور منفرد ہے۔ صرف اندازِ بیان مشکل ہونے پر اگر جوش کی غزل کو پسِ پشت ڈال دیا جائے تو صرف جوش کے ساتھ نہیں غزل کی روایت کے ساتھ بھی ناانصافی ہو گی۔

جوش معنی کی سطح پر غزل کو نظم جیسی وسعت اور نظم کو غزل جیسی اثر پذیری دینا چاہتے تھے اور اس میں وہ کامیاب بھی ہوئے۔ اُن کا مزاج سراپا تغزل تھا البتہ اُن کے دل و دماغ میں اتنی دوررس، بلند آہنگ اور پُر جوش امنگیں تھیں کہ غزل میں اُن کی سمائی مشکل

تھی۔ اُن کی طبیعت میں غزل کا رنگ اس قدر سمایا ہوا تھا کہ اُن کی رباعی اور نظم پر بھی ہمیں غزل کے اثرات ملتے ہیں۔ اُن کے مجموعے "نقش و نگار" میں سترہ سے اٹھارہ نظمیں ایسی ہیں کہ اگر ان کا عنوان ہٹا دیں تو ان کی ہیئت غزل کی ہے۔ بحیثیت مجموعی جوش کی غزل فن اور فکر کے حوالے سے اُن کے اسلوب کی طرح اپنا ثانی نہیں رکھتیں۔

حوالہ جات

1. محمد رضا کاظمی، ڈاکٹر، جوش اور غزل، مشمولہ: جوش شناسی، مدیر: ڈاکٹر ہلال نقوی، کراچی: الفاظ فاؤنڈیشن، ۲۰۰۹ء، ص۲۱۹
2. مجنوں گورکھپوری، مشمولہ: "نگار" سالنامہ، کراچی: (مدیر: نیاز فتح پوری)، ۱۹۸۶ء، ص۲۷۹
3. ایضاً، ص۲۶۵
4. شمیم احمد، غزل اور غزل کے معاملات، مشمولہ: اردو شاعری کا فنی ارتقا، مرتب: ڈاکٹر فرمان فتح پوری، لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۱۵ء، ص۹۱
5. فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، جوش ملیح آبادی: غزل کی روشنی میں، مشمولہ: ادبیات، سہ ماہی، اسلام آباد: (جوش ملیح آبادی نمبر)، اکادمی ادبیات، ۲۰۱۰ء، ص۹
6. کلیم الدین احمد، مشمولہ: نقوش مع ضمیمہ غزل، سالنامہ، لاہور: ادارہ فروغِ اردو، جولائی اگست، ۱۹۴۵ء، ص۲۲۷
7. جوش ملیح آبادی، محراب و مضراب، لاہور: جنگ پبلشرز، ۱۹۹۳ء، ص۴۵۷
8. ایضاً، ص۴۶۰
9. ایضاً، ص۴۶۰
10. وقار عظیم، سید، پروفیسر، فن اور فنکار، لاہور: اردو مرکز، س ن، ص۲۸۵
11. جوش ملیح آبادی، شعلہ و شبنم، دہلی: مکتبہ جامعہ، ۱۹۳۶ء، ص۲۶۲
12. ایضاً، ص۲۷۷
13. ایضاً، ص۲۹۹
14. ایضاً، ص۲۶۳
15. انور الحسن ہاشمی، غزل کا نیا رنگ ترنم، مشمولہ: اردو شاعری کا فنی ارتقا، ص۷۶
16. جوش ملیح آبادی، شعلہ و شبنم، ص۲۶۳
17. ایضاً، ص۲۶۲
18. ایضاً، ص۲۶۴

19. جوش ملیح آبادی، روحِ ادب، بمبئی: کتب خانہ تاج آفس، ۱۹۲۰ء، ص ۹۴
20. جوش ملیح آبادی، شعلہ و شبنم، ص ۳۲۴
21. ایضاً، ص ۳۳۶
22. ایضاً، ص ۲۶۳
23. ایضاً، ص ۳۳۴
24. ایضاً، ص ۲۵۷
25. جوش ملیح آبادی، شعلہ و شبنم، ص ۲۵۸
26. ایضاً، ص ۲۵۹
27. ایضاً، ص ۲۶۰
28. ایضاً، ص ۲۶۰
29. ایضاً، ص ۳۴۲
30. ایضاً، ص ۲۹۴
31. جوش ملیح آبادی، محراب و مضراب، ص ۳۹۹
32. ایضاً، ص ۴۳۹
33. سروری، عبدالقادر، اردو شاعری، حیدر آباد دکن: کتب خانہ عزیزیہ، بار دوم، ۱۹۲۹ء، ص ۲۹۷_۲۹۶
34. رشید احمد گوریجہ، منتخب شعری ادب، ملتان: بیکن بکس، ۲۰۰۳ء، ص ۳۵۶
35. جوش ملیح آبادی، شعلہ و شبنم، ص ۲۵۶
36. ایضاً، ص ۲۶۰
37. سرور، آل احمد، نئے اور پرانے چراغ، دہلی: حالی پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۴۶ء، ص
38. جوش ملیح آبادی، شعلہ و شبنم، ص ۳۱۱
39. ایضاً، ص ۳۰۴
40. جوش ملیح آبادی، روحِ ادب، ص ۷۷
41. جوش ملیح آبادی، شعلہ و شبنم، ص ۳۱۷
42. جوش ملیح آبادی، محراب و مضراب، ص ۳۸۵